© rasailojaraid.com

تفہیم القرآن

(۱۸)

یوسف

(از رکوع ۱۱ تا ختم سورہ)

جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا "میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۱؎، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں"۔ گھر کے لوگ بولے "خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۲؎"۔

۱؎ اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف کا قمیص لے کر مصر سے چلا ہے اور ادھر سینکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب اس کی مہک پا لیتے ہیں۔ مگر اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ قوتیں کچھ ان کی ذاتی نہ تھیں بلکہ اللہ کی بخشش سے ان کو ملی تھیں اور اللہ جب اور جس قدر چاہتا تھا انھیں کام کرنے کا موقع دیتا تھا۔ حضرت یوسف برسوں مصر میں موجود رہے اور کبھی حضرت یعقوب کو ان کی خوشبو نہ آئی، مگر اب یکایک قوت ادراک کی تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ ابھی ان کا قمیص مصر سے چلا ہے اور وہاں ان کی مہک آنی شروع ہو گئی۔

یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک طرف قرآن حضرت یعقوب کو اس پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف بنی اسرائیل ان کو ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر معمولی بدو ہو سکتا ہے۔ توراۃ کا بیان ہے کہ جب بیٹوں نے آکر خبر دی کہ "یوسف اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک مصر کا حاکم ہے تو یعقوب کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ اس نے ان کا یقین نہ کیا .... اور جب ان کے باپ یعقوب نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسف نے ان کو لانے کے لیے بھیجی تھیں تب اس کی جان میں جان آئی"۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ پورے خاندان میں حضرت یوسف کے سوا کوئی اپنے باپ کا قدرشناس نہ تھا اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسف کا قمیص یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور یکایک اس کی بینائی عود کر آئی۔ تب اس نے کہا "میں تم سے کہتا نہ تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" سب بول اٹھے "ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کریں، واقعی ہم خطاکار تھے۔" اس نے کہا "میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

پھر جب لوگ یوسف کے پاس پہنچے[۱] تو اس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھا لیا[۲] اور (اپنے سب کنبے والوں سے) کہا "چلو، اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔"

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔[۳] یوسف نے کہا "ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) حضرت یعقوب خود بھی ان لوگوں کی ذہنی و اخلاقی پستی سے مایوس تھے۔ گھر کے چراغ کی روشنی باہر پھیل رہی تھی، مگر خود گھر والے اندھیرے میں تھے اور ان کی نگاہ میں وہ ایک جگنو سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ فطرت کی اس ستم ظریفی سے تاریخ کی اکثر و بیشتر بڑی شخصیتوں کو سابقہ پیش آیا ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] توراۃ کا بیان ہے کہ سب افرادِ خاندان جو اس موقع پر مصر گئے، ۶۷ تھے۔ اس تعداد میں دوسرے گھرانوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب کے ہاں بیاہی ہوئی آئی تھیں۔ اس وقت حضرت یعقوب کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔

[۲] تلمود میں لکھا ہے کہ حضرت یعقوب کی آمد کی خبر پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے بڑے امراء و اہلِ مناصب اور فوج فرا کو لے کر ان کے استقبال کے لیے نکلے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ان کو دارالسلطنت میں لائے۔ وہ دن شہر میں جشن کا دن تھا۔ عورت، مرد، بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

[۳] اس لفظ "سجدہ" سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے تو اسی سے استدلال کر کے بادشاہوں اور پیروں کے لیے سجدۂ تحیہ اور سجدۂ تعظیمی کا جواز نکالا، اور دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے ...

(باقی حاشیہ ...)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لیے حرام تھا، باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو، تو وہ خدا کے سوا دوسروں کو بھی کیا جا سکتا تھا۔ البتہ شریعت محمدی میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ لیکن یہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ لفظ "سجدہ" کو موجودہ اسلامی اصطلاح کا ہم معنی سمجھ لیا گیا، یعنی ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی کا زمین پر ٹکانا۔ حالانکہ سجدہ کے اصل معنی محض جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا رواج ہے کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے، یا کسی کا استقبال کرنے کے لیے یا محض سلام کرنے کے لیے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکا جائے۔ اسی جھکاؤ کے لیے عربی میں سجود اور انگریزی میں Bow کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ بائبل میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے خیمہ کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لیے دوڑے اور زمین تک جھکے۔ عربی توراۃ میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فلما نظر رکض لاستقبالھم من باب الخیمۃ وسجد الی الارض (تکوین ۱۸-۲) پھر جب موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ بنی حِت نے حضرت سارہ کے دفن کے لیے قبر کی زمین مفت دی وہاں اردو توراۃ کے الفاظ یہ ہیں: "ابرہام نے اٹھ کر اور بنی حِت کے آگے، جو اس ملک کے لوگ ہیں، آداب بجا لا کر ان سے یوں گفتگو کی"۔ اور جب ان لوگوں نے ایک قبر کی زمین نہیں بلکہ ایک پورا کھیت اور ایک غار نذر میں پیش کر دیا تب ابرہام اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھکا"۔ مگر عربی توراۃ میں ان دونوں مواقع پر "آداب بجا لانے اور جھکنے کے لیے" "سجدہ کرنے" ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: فقام ابراہیم وسجد لشعب الارض بنی حت (تکوین: اصحاح ۲۳- آیت ۷) فسجد ابراہیم امام شعب الارض (اصحاح ۲۳- آیت ۱۲)

انگریزی توراۃ میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

Bowed himself toward the ground.

Bowed himself to the People of the land.

And Abraham bowed down himself before the People of the land.

اس مضمون کی مثالیں توراۃ میں اور بھی موجود ہیں اور ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سجدہ کا مفہوم وہ ہے ہی نہیں جو اب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے قید خانے سے نکالا، اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے، بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔ اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔[۱]

---

[۱] یہ چند فقرے جو اس موقع پر حضرت یوسف کی زبان سے نکلے ہیں وہ ایک سچے مومن کی سیرت کا عجیب دلکش نقشہ پیش کرتے ہیں۔ ہم صحرائی گلہ بانوں کے خاندان کا ایک فرد، جس کو خود اس کے بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا، زندگی کے نشیب و فراز دیکھتا ہوا بالآخر دنیوی عروج کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے، اس کے قحط زدہ اہل خاندان اب اس کے دست نگر ہو کر اس کے حضور آئے ہیں اور وہ حاسد بھائی بھی جو اس کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کے تخت شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔ یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فخر جتانے، ڈینگیں مارنے لگنے اور شکوے کرنے، اور طعن و ملامت کے تیر برسانے کا تھا۔ مگر ایک سچا خدا پرست انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس عروج پر فخر کرنے کے بجائے اس خدا کے احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا۔ وہ خاندان والوں کو اس ظلم و ستم پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو اوائل عمر میں انھوں نے اس پر کیے تھے، بلکہ اس کے برعکس اس بات پر شکر ادا کرتا ہے کہ خدا نے اتنے دنوں کی جدائی کے بعد تم لوگوں کو مجھ سے ملایا۔ وہ حاسد بھائیوں کے خلاف شکایت کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتا حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہتا کہ انھوں نے میرے ساتھ برائی کی تھی، بلکہ ان کی صفائی خود ہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ شیطان نے میرے اور ان کے درمیان برائی ڈال دی تھی، اور پھر اس برائی کے بھی برے پہلو کو چھوڑ کر اس کا یہ اچھا پہلو پیش کرتا ہے کہ خدا جس مرتبے پر مجھے پہنچانا چاہتا تھا اس کے لیے یہ لطیف تدبیر اس نے فرمائی یعنی بھائیوں سے شیطان نے جو کچھ کرایا اسی میں حکمت الٰہی کے مطابق میرے لیے خیر تھی۔ چند الفاظ میں یہ سب کچھ کہہ جانے کے بعد وہ بے اختیار اپنے خدا کے آگے جھک جاتا ہے، اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے بادشاہی دی اور وہ قابلیتیں بخشیں جن کی بدولت میں قید خانے میں سڑنے کے بجائے آج دنیا کی سب سے بڑی سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہوں، اور آخر میں اس سے کچھ مانگتا ہے تو یہ مانگتا ہے کہ دنیا میں جب تک زندہ رہوں تیری بندگی و غلامی پر ثابت قدم رہوں، اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیا جائے ——

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اے محمدؐ!) یہ قصّہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی۔ مگر تم خواہ کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر لوگ مان کر دینے والے نہیں ہیں؎۔ حالانکہ تم اس خدمت پر ان سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے ہو۔ یہ تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱) حضرت یوسفؑ کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائیبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ کتابیں قصّوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری پڑی ہیں، مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔

یہاں یہ قصّہ ختم ہو رہا ہے، اس لیے ناظرین کو پھر اس حقیقت پر متنبہ کر دینا ضروری ہے کہ قصّہ یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن کی یہ روایت اپنی جگہ ایک مستقل روایت ہے، بائیبل یا تلمود کا چربہ نہیں ہے۔ تینوں کتابوں کا متقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قصّے کے متعدد اہم اجزاء میں قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض چیزیں قرآن ان سے زائد بیان کرتا ہے، بعض ان سے کم، اور بعض میں ان کی تردید کرتا ہے۔ لہٰذا کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصّہ سنایا وہ بنی اسرائیل سے سن لیا ہوگا۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) ؎ یعنی ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ تمہاری نبوت کی آزمائش کے لیے بہت سوچ بجھ کر اور مشورے کر کے جو مطالبہ انھوں نے کیا تھا اسے تم نے بھری محفل میں برجستہ پورا کر دیا، اور اب شاید تم متوقع ہو گے کہ اس کے بعد تو انھیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی تأمل نہ رہے گا کہ تم یہ قرآن خود تصنیف نہیں کرتے ہو بلکہ واقعی تم پر وحی آتی ہے، مگر یقین جانو کہ یہ اب بھی نہ مانیں گے اور اپنے انکار پر جمے رہنے کے لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ نکالیں گے، کیونکہ ان کے نہ ماننے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری صداقت کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ کھلے دل سے کوئی معقول دلیل چاہتے ہوں اور وہ انھیں نہ ملی ہو، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہاری بات نہیں ماننا چاہتے اور ان کو تلاش دراصل ماننے کے لیے کسی دلیل کی نہیں بلکہ نہ ماننے کے لیے کسی بہانے کی ہے ——— اس کلام سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غلط فہمی کو رفع کرنا نہیں ہے، اگرچہ بظاہر خطاب آپ ہی سے ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد مخاطب گروہ کو، جس کے مجمع میں یہ تقریر کی جا رہی تھی، ایک نہایت لطیف و بلیغ طریقہ سے اس کی ہٹ دھرمی پر متنبہ کرنا ہے۔ انھوں نے اپنی محفل میں آپ کو امتحان کے لیے بلایا تھا اور اچانک یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر تم نبی ہو تو بتاؤ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا قصّہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں ان کو وہیں اور اسی وقت پورا قصّہ سنا دیا

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے۔[۷۱]

ع ۱۱

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔[۷۲] ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور آخر میں یہ مختصر سا فقرہ کہکر آئینہ بھی ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ہٹ دھرمو، اس میں اپنی صورت دیکھ لو، تم کس منہ سے امتحان لینے بیٹھے تھے؛ معقول انسان اگر امتحان لیتے ہیں تو اس لیے لیتے ہیں کہ اگر حق ثابت ہو جائے تو اسے مان لیں، مگر تم وہ لوگ ہو جو اپنا منہ مانگا ثبوت مل جانے پر بھی مان کر نہیں دیتے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۷۱] اوپر کی تنبیہ کے بعد یہ دوسری لطیف تر تنبیہ ہے جس میں ملامت کا پہلو کم اور فہمائش کا پہلو زیادہ ہے۔ اس ارشاد کا خطاب بھی بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اصل مخاطب کفار کا مجمع ہے اور اس کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کے بندو! غور کرو، تمہاری یہ ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے۔ اگر پیغمبر نے اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے دعوت و تبلیغ کا یہ کام جاری کیا ہوتا یا اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی چاہا ہوتا تو بے شک تمہارے لیے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم اس مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں، مگر تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص بے غرض ہے، تمہاری اور دنیا بھر کی بھلائی کے لیے نصیحت کر رہا ہے، اور اس میں اس کا اپنا کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہے، پھر اس کا مقابلہ اس ہٹ دھرمی سے کرنے میں آخر کیا معقولیت ہے۔ جو انسان سب کے بھلے کے لیے ایک بات بے غرضی کے ساتھ پیش کرے اس سے کسی کو خواہ مخواہ ضد کیوں ہو۔ کھلے دل سے اس کی بات سنو، دل کو لگتی ہو تو مانو، نہ لگتی ہو نہ مانو۔

[۷۲] اوپر کے گیارہ رکوعوں میں حضرت یوسف کا قصہ ختم ہو گیا۔ اگر وحی الٰہی کا مقصد محض قصہ گوئی ہوتا تو اسی جگہ تقریر ختم ہو جانی چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو قصہ کسی اور مقصد کی خاطر کہا جاتا ہے اور اس مقصد کی تبلیغ کے لیے جو موقع بھی مل جائے اس سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ اب چونکہ لوگوں نے خود نبی کو بلایا تھا اور قصہ سننے کے لیے کان متوجہ تھے، اس لیے ان کے مطلب کی بات ختم کرتے ہی چند جملے اپنے مطلب کے بھی کہہ دیے گئے اور غایت درجہ اختصار کے ساتھ ان چند جملوں ہی میں نصیحت اور دعوت کا سارا مضمون سمیٹ دیا گیا ہے۔

[۷۳] اس سے مقصد لوگوں کو ان کی غفلت پر متنبہ کرنا ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز بجائے خود محض ایک چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک نشانی بھی ہے جو حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو لوگ ان چیزوں کو محض چیز ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھیراتے ہیں؟[۵۱] کیا یہ مطمئن ہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی عذاب اُن پر چھا کر انھیں دبوچ نہ لے گا یا بے خبری میں قیامت کی گھڑی اچانک ان پر نہ آجائے گی؟[۵۲] تم ان سے صاف کہدو کہ "میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ پاک ہے[۵۳] اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) وہ انسان کا سا دیکھنا نہیں بلکہ جانوروں کا سا دیکھنا دیکھتے ہیں۔ درخت کو درخت، اور پہاڑ کو پہاڑ اور پانی کو پانی تو جانور بھی دیکھتا ہے، اور اپنی اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہر جانور ان چیزوں کا مصرف بھی جانتا ہے۔ مگر جس مقصد کے لیے انسان کو حواس کے ساتھ سوچنے والا دماغ بھی دیا گیا ہے، وہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو دیکھے اور ان کا مصرف اور استعمال معلوم کرے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانیوں کے ذریعہ سے اس کا سراغ لگائے۔ اسی معاملہ میں اکثر انسان غفلت برت رہے ہیں، اور یہی غفلت ہے جس نے ان کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اگر دلوں پر یہ قفل نہ چڑھا لیا گیا ہوتا تو پیغمبر کی بات سمجھنا اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا لوگوں کے لیے اس قدر مشکل نہ ہو جاتا۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۵۱] یہ فطری نتیجہ ہے اس غفلت کا جس کی طرف اوپر کے فقرے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جب لوگوں نے نشان راہ سے آنکھیں بند کیں تو سیدھے راستے سے ہٹ گئے اور اطراف کی جھاڑیوں میں پھنس کر رہ گئے۔ اس پر بھی کم انسان ایسے ہیں جو منزل کو بالکل ہی گم کر چکے ہوں، اور جنہیں اس بات سے قطعی انکار ہو کہ خدا ان کا خالق و رازق ہے۔ بیشتر انسان جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ انکار خدا کی گمراہی نہیں بلکہ شرک کی گمراہی ہے۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خدا نہیں ہے بلکہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدائی کی حقیقت اور اس کی صفات، اختیارات، اور حقوق میں دوسرے بھی کسی نہ کسی درجے کے حصہ دار ہیں۔ یہ غلط فہمی ہرگز نہ پیدا ہوتی اگر زمین و آسمان کی ان نشانیوں کو نگاہ عبرت سے دیکھا جاتا جو ہر جگہ اور ہر آن خدائی کی وحدت کا پتہ دے رہی ہیں۔

[۵۲] اس سے مقصود لوگوں کو چونکانا ہے کہ زمانۂ زندگی کو دراز سمجھ کر اور حال امن کو دائم خیال کر کے فکر مآل کو کسی آئندہ وقت پر نہ ٹالو۔ کسی انسان کے پاس بھی اس امر کے لیے کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس کی مہلت حیات فلاں وقت تک یقیناً باقی رہے گی۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اچانک اس کی گرفتاری ہو جاتی ہے اور کہاں سے کس حال میں وہ پکڑ بلایا جاتا ہے۔ تمہارا شب و روز کا تجربہ ہے کہ پردۂ مستقبل ایک لمحہ پہلے بھی خبر نہیں دیتا کہ اس کے اندر تمہارے لیے کیا چھپا ہوا ہے۔ لہذا کچھ فکر کرنی ہے تو ابھی کر لو۔ زندگی کی جس راہ پر چلے جا رہے ہو اس پر آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ٹھیر کر سوچ لو کہ آیا یہ راستہ ٹھیک ہے؟ اس کے درست ہونے کے لیے کوئی واقعی حجت موجود ہے؟ اس کے راست ہونے کی کوئی دلیل آثار کائنات سے مل رہی ہے؟ اس پر چلنے کے جو نتائج تم سے پہلے دنیا دیکھ چکی ہے اور جو نتائج اب تمہارے تمدن میں رونما ہو رہے ہیں وہ بھی تصدیق کرتے ہیں کہ تم ٹھیک جا رہے ہو؟

[۵۳] یعنی ان باتوں سے پاک جو اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں۔ ان نقائص، اور کمزوریوں سے پاک جو ہر مشرکانہ عقیدے سے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اے محمدؐ!) تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے اور انہی کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں؟ اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے اور زیادہ بہتر ہے جنھوں نے (پیغمبروں کی بات مان کر) تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟ ۱؎ (پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ مدتوں نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سن کر نہ دیا) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہوگئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، تو یکایک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔ پھر جب ایسا موقع آجاتا ہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں بچا لیتے ہیں اور مجرموں پر سے تو ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاسکتا۔

اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ کوئی بناوٹی بات نہیں ہے بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل ۲؎ اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ ع۱۲

(بقیہ صفحہ ۵) بنا پر لازماً اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان عیوب اور خطاؤں اور برائیوں سے پاک جن کا اس کی طرف منسوب ہونا شرک کا منطقی نتیجہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱؎ یہاں ایک بہت بڑے مضمون کو دو تین جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اس کو اگر کسی مفصل عبارت میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے: "یہ لوگ تمہاری بات کی طرف اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا اس کے متعلق یہ کیسے مان لیں کہ یکایک ایک روز خدا نے اسے اپنا سفیر مقرر کردیا۔ لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جس سے آج پہلی مرتبہ سابقہ پیش آیا ہو۔ اس سے پہلے بھی خدا اپنے نبی بھیج چکا ہے اور وہ سب بھی انسان ہی تھے۔ پھر یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ اچانک ایک شخص کسی شہر میں نمودار ہوگیا ہو اور اس نے کہا ہو کہ میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بلکہ جو لوگ بھی انسانوں کی اصلاح کے لیے اٹھائے گئے وہ سب بستیوں کے رہنے والوں میں سے ہی تھے۔ مسیح، موسیٰ، ابراہیم، نوح (علیہم السلام) آخر کون تھے؟ اب تم خود ہی دیکھ لو کہ جن قوموں نے ان لوگوں کی دعوت اصلاح کو قبول نہ کیا اور اپنے بے بنیاد تخیلات اور بے لگام خواہشات کے پیچھے چلتی رہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ تم خود اپنے تجارتی سفروں میں عاد، ثمود، مدین، اور قوم لوط وغیرہ کے تباہ شدہ علاقوں سے گزرتے رہتے ہو۔ کیا وہاں سبق تمہیں نہیں ملتا؟ یہ انجام جو انہوں نے دنیا میں دیکھا، یہی خبر دے رہا ہے کہ عاقبت میں وہ اس سے بدتر انجام دیکھیں گے اور جن لوگوں نے دنیا میں اپنی اصلاح کرلی وہ صرف دنیا ہی میں اچھے نہ رہے، آخرت میں ان کا انجام اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔"

۲؎ یعنی ہر وہ چیز جو انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری ہے، اس کتاب میں صاف صاف کھول کر بیان کردی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com